کتاب سازی و کُتُب خانہ سازی

(اسلام کا ایک ثقافتی ورثہ)

جناب محمد حلیم چشتی صاحب

(۲)

دو قسم کے کتب خانوں کی اہمیت حقیقت یہ ہے کہ عہدِ رسالت سے چوتھی صدی ہجری تک مسلم معاشرے میں دو قسم کے کتب خانوں کی ہر جگہ کثرت رہی ہے:

اوّل وہ کتب خانے جنھیں عرفِ عام میں زندہ کتب خانہ کہا جاتا تھا۔ یہ سامانِ کتابت کی قیود سے آزاد تھے۔

دوسرے وہ کتب خانے جن کا وجود سامانِ کتابت کا مرہونِ منت ہے۔ آج فن کی اصطلاح میں اسی کو چند قیود کے ساتھ کتب خانہ کہا جاتا ہے۔ یہ اسلام کا فیضان ہے کہ مسلمانوں نے صدیوں تک دونوں قسم کے کتب خانوں کا سلسلہ برقرار رکھا۔

وہ زندہ کتب خانے (مکتبات حیہ) جن سے بلا قیدِ زمان و مکان ہر جگہ فائدہ اٹھایا جاتا تھا، یہ علوم و معارف کے گنجہائے گراں مایہ علماء و محدثین، فقہاء و مفسرین، ادباء ائمہ لغت کے صدور (سینے) تھے، جن میں وہ سب کچھ محفوظ تھا جو انھوں نے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور معاصرین صحابہ رض سے سُنا اور شب و روز غور و فکر کے بعد خود سمجھا تھا، چنانچہ خلفاءِ اربعہ و عبادلہ، یعنی عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر، مجتہدین و حفاظ اور مکثرین (کثرت سے روایت کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم)

کی جاتی[1] اسی قسم کے کتب خانوں کی نظیر تھی - اس لیے کہ جب ان سے کچھ پوچھا جاتا وہ بے کم و کاست اسے بیان کر دیتے - ان کے بعد ان کے نامور تلامذہ کی بھی یہی شان تھی - چنانچہ محمد بن مسلم بن شہاب زہری (۵۸-۱۲۴ھ = ۶۷۸-۷۴۲ء) کا واقعہ کتب تاریخ و تذکرہ میں محفوظ ہے کہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک اموی (۷۱-۱۲۵ھ = ۶۹۰-۷۴۳ء) نے امام زہری کو بلا کر فرمائش کی کہ صاحبزادوں کو کچھ حدیثیں املا کروائیں - اس نے پسِ پردہ کاتب کو بٹھایا تاکہ وہ دیکھ نہ سکیں اور ہدایت کی کہ جو بیان کریں اسے قلمبند کیا جائے - موصوف نے چار سو حدیثیں املا کرائیں - کچھ عرصہ بعد ہشام نے زہری سے عرض کیا: وہ ذخیرہ جو املا کرایا گیا تھا گم ہوگیا ہے - امام موصوف دوبارہ املا کرانے پر آمادہ ہوگئے - ہشام نے حسبِ سابق کاتب کو ہدایات دیں - امام زہری تو وہ حدیثیں املا کرا کر رخصت ہوگئے - خلیفہ ہشام نے ان کا مقابلہ کیا، سرِ مو فرق نہ پایا[2] - حفظ کا یہ انداز عربوں کی طبیعت و مزاج کے عین مطابق تھا - وہ جو کچھ سنتے اسے حافظہ کی قید میں محفوظ رکھتے تھے - اِن وجوہ سے ابتدائی دور میں اس قسم کے زندہ کتب خانوں کو مسلم معاشرے میں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی -

اِس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مسلم معاشرے میں ابلاغِ علم اور کتب خانوں کی یہ وہ زندہ تحریک تھی جس نے مادی کتب خانوں کی تحریک کو ابتدا میں بہت سہارا دیا۔

---

[1] ابن حزم، الرسالۃ الثانیۃ، اسماء الصحابۃ الرواۃ وما لکل واحد من العدد، ص ۲۷۵-۲۷۶ (ولہ) الرسالۃ الثالثۃ، اصحاب الفتیا من الصحابۃ ومن بعدھم علی مراتبھم فی کثرۃ الفتیا - ص ۳۱۹ - یہ دونوں رسالے جوامع السیرۃ وخمس رسائل اخری تحقیق احسان عباس، ناصر الدین الاسد، مصر، دار المعارف، ب ت میں شامل ہیں -

[2] ابن حجر، تہذیب التہذیب، حیدرآباد الدکن، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ، ۱۳۲۵ھ، جلد ۹ ص ۴۴۹ -

ابتدائی دور میں وسائل وسامانِ کتابت کی اتنی فراوانی نہیں تھی کہ ہر جگہ اور ہر وقت اسے بآسانی حاصل کیا جاسکتا۔ اس وجہ سے قرآن مجید کبھی کھال پر، کبھی پتھر پر، کبھی ہڈی وغیرہ پر لکھوا کر محفوظ کیا گیا تھا۔[1]

دوسرے وہ کتب خانے تھے جو "الکتاب" کے پرتوفیض اور "قیدوا العلم بالکتاب" کی تحریک سے معرضِ وجود میں آئے تھے۔ اس تحریک نے عربوں کی طبیعت ومزاج کو بدلا۔ انہوں نے کتابت وابلاغِ علم کو ایک امانت وفریضہ سمجھ کر کتابی صورت میں منضبط کرنا شروع کیا تاکہ اس ثقافتی ورثہ سے زیادہ سے زیادہ افادہ واستفادہ کیا جاسکے۔ اس طرح علوم وحکم کو صدور سے سطور (کتابوں) میں اور سینوں سے سفینوں میں منتقل کیے جانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور مسلم معاشرے میں کتب خانوں کا قیام عمل میں آنے لگا چنانچہ عبداللہ بن عمرو بن العاص قرشی (۷ قھ – ۶۵ھ = ۶۱۶ – ۶۸۴ء)[2]، ابوہریرہ عبدالرحمٰن بن صخر دوسی (۲۱ قھ – ۵۹ھ = ۶۰۲ – ۶۷۹ء)[3] اور عبداللہ بن عباس (۳ قھ – ۶۸ھ = ۶۱۹ – ۶۸۷ء)[4] رضی اللہ عنہم کے کتب خانے اس کی بہترین مثال ہیں۔ جو ذخائر ان کے کتب خانوں میں محفوظ تھے ان کی حیثیت مذکرات کی ہو یا مدونات کی، وہ سب ان کے حافظوں میں محفوظ تھے۔

---

[1] ابوعبید القاسم بن سلام غریب الحدیث حیدرآباد الدکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف العثمانیہ۔ ۱۹۶۷ء جلد ۴ ص ۱۵۶۔ ابن حجر، فتح الباری۔ مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۸ھ جلد ۱۰ ص ۳۸۸۔ العینی، عمدۃ القاری القاہرہ: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ۔ ب، ب۔ جلد ۲۰، ص ۱۶۔ ۱۷۔ عبدالحی الکتانی۔ التراتیب الاداریۃ۔ الرباط، المطبعۃ الوطنیۃ، ۱۳۴۹ھ جلد ۲ ص ۲۴۲۔ ۲۴۳ و ۲۴۸۔

[2] ابن حجر، فتح الباری۔ جلد ۱ ص ۲۱۷۔ ۲۱۸

[3] ایضاً۔

[4] ابن سعد۔ طبقات الکبیر، لیڈن: بریل، ۱۳۲۵ھ۔ جلد ۵۔ ص ۲۱۶

اسلامی فتوحات کا دائرہ جب وسعت اختیار کر گیا۔ اقوامِ عالم جوق در جوق حلقہ بگوشِ اسلام ہوئیں ۔۔ وہ عربوں کی طرح ہر بات کو یاد رکھنے کی عادی نہ تھیں، نہ ان کا حافظہ ان کی طرح قوی تھا۔ اس لیے " قیدوا العلم بالکتاب " کی تحریک کو اور بھی فروغ حاصل ہوا، اس اثنا میں گو علوم و فنون میں تنوع ہوا، کھرے سکوں کے ساتھ کھوٹے سکے بھی بازارِ علم میں آنے لگے[1] اسلام کی بدولت علمی سیادت و قیادت موالی کو حاصل ہوئی۔ انہوں نے علمی مسندوں کو زینت بخشی اور ابلاغِ علم کی خاطر تصنیف و تالیف میں سرگرمِ عمل ہوئے[2] لوگوں کی جب ہمتیں جواب دینے لگیں۔ اور ائمہ فن کو علم کے برباد ہونے کا خطرہ ہوا تو انہوں نے تیزی سے سینوں سے سفینوں میں علوم و معارف کو اتارنا شروع کیا۔ گو درس و تدریس کا انداز نہیں بدلا، اس لیے کہ انہوں نے عربوں سے اکتسابِ علم کیا تھا۔ اور یہ انہی کے طریقہ تعلیم کے دلدادہ تھے، چنانچہ علوم کی تحصیل اسی طرح حافظہ سے کی جاتی رہی[3]۔

---

[1] چنانچہ امام لیث بن سعد (المتوفی ۱۷۵ھ) کا بیان ہے کہ:۔
" اسکندریہ میں ایک شیخ آیا جو نافع مولی ابن عمرؓ سے روایتیں بیان کرتا تھا۔ میں نے بھی اس سے دو قنداق (بڑی بڑی کاپیاں) نقل کیں اور انہیں نافع کو بھیجا، موصوف نے ان روایات سے انکار کیا۔ (السیوطی، تحذیر الخواص من اکاذیب القصاص۔ تحقیق محمد الصباغ، بیروت۔ المکتبۃ الاسلامی، ۱۳۹۳ھ ص ۱۶۷)۔

[2] ابن عبد ربہ، کتاب العقد الفرید، تحقیق احمد ابن احمد الزین۔ ابراھیم الابیاری۔ ط۔ ۲۔ القاہرہ، مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر، ۱۳۷۲ھ ص ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ یاقوت، معجم البلدان، بیروت، دار صادر، ۱۳۷۴ھ جلد ۲ ص ۳۰۷۔ ابن خلدون۔ المقدمہ، بیروت، دار الکتاب اللبنانی، ۱۹۶۱ء ص ۱۰۴۷۔

[3] استحبوا ان یؤخذ عنھم حفظاً کما اخذوا حفظاً (ابن حجر۔ فتح الباری جلد ۱ ص ۲۱۸۔

وسائلِ کتابت کی فراہمی یہی وہ زمانہ تھا جب وسائل و سامانِ کتابت بآسانی میسر ہونے لگا تھا، کاغذ کے کارخانے اسلامی قلمرو میں لگنے شروع ہو گئے تھے۔ کاغذ جب سہولت سے ملنے لگا تو ہر طرف قسم قسم کا علمی ذخیرہ جمع کیا جانے لگا۔ اسلامی قلمرو میں شہر شہر اور بستی بستی ہی نہیں بلکہ گلی گلی مادی کتب خانے قائم ہونے لگے اور سینوں کے ساتھ سفینوں میں علوم کا ذخیرہ کیے جانے کا ترقی پذیر سلسلہ مسلم معاشرے کا شعار بن گیا۔ اس طرح ہر دو قسم کے کتب خانوں کا باہمی سفر شروع ہوا۔ جہاں ایک پایا جاتا وہاں دوسرا بھی ساتھ ہی ملنے لگا۔ ہر دو نوع کے کتب خانوں کے تلازم کا یہ سلسلہ چوتھی صدی ہجری تک اپنے عروج پر رہا۔

اس دعوے کے ثبوت میں بطور مثال گزرے ادوار سے چند نامور ائمہ لغت، ادیب، طبیب اور حفاظِ حدیث کے نام بالترتیبِ زمانی ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں جن کے کتب خانوں کے ذخائر کم و بیش ان کے صدور میں محفوظ تھے۔

دوسری صدی ہجری:

۱۔ ابوعمرو بن العلاء بن عمار مازنی بصری المتوفی ۱۵۴ھ کا کتب خانہ۔

۲۔ امام سفیان ثوری کوفی المتوفی ۱۶۱ھ کا کتب خانہ۔

تیسری صدی ہجری:

۱۔ ابواسحاق ابراہیم بن اسحاق بغدادی حربی المتوفی ۲۸۵ھ کا کتب خانہ۔

۲۔ امام احمد بن حنبل شیبانی المتوفی ۲۴۱ھ کا کتب خانہ۔

۳۔ ابوالعباس احمد بن یحییٰ المعروف ثعلب المتوفی ۲۹۱ھ کا کتب خانہ۔

۴۔ ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم رازی المتوفی ۲۶۴ھ کا کتب خانہ۔

۵۔ ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جعفر المعروف بابن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ

۶۔ ابوعثمان عمرو بن بحر جاحظ المتوفی ۲۵۵ھ کا کتب خانہ۔

۷۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری المتوفی ۲۵۶ھ کا کتب خانہ۔

چوتھی صدی ہجری :

۱۔ ابوعبداللہ ابن اسحاق اصبہانی المعروف بابن مندہ المتوفی ۳۹۵ھ کا کتب خانہ

۲۔ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب شامی طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ کا کتب خانہ

۳۔ ابوبکر محمد بن زکریا رازی المتوفی ۳۱۱ھ کا کتب خانہ۔

۴۔ ابوعبیداللہ محمد بن عمران مرزبانی بغدادی المتوفی ۳۸۴ھ کا کتب خانہ۔

پانچویں صدی ہجری:

۱۔ ابوذر عبد بن احمد بن محمد انصاری ہروی مالکی المعروف بابن السماک المتوفی ۴۳۴ھ کا کتب خانہ۔

۲۔ ابوحیان علی بن محمد توحیدی المتوفی ۴۰۰ھ کا کتب خانہ۔

مذکورہ بالا ائمہ فن کے کتب خانوں کا تذکرہ ہم نے اپنے "تحقیقی مقالہ" اسلامی کتب خانے عہدِ عباسی میں" کیا ہے۔

اس دور میں (الف) مطالعہ (ب) تعلیم و تدریس (ج) تصنیف و تالیف (د) مناظرہ ومباحثہ (ہ) مذاکرہ (و) تفکر و تدبر اوہ اہم ذرائع تھے جن سے علوم زندہ رکھے جاتے اور ان میں اضافہ کیا جاتا تھا۔ علماء استفادہ وافادہ کی خاطر اپنے آپ کو علمی سرگرمیوں میں وقف کیے رہتے تھے۔ اس لیے علوم ان کے دماغ میں تازہ رہتے تھے، وہ اپنی یافت و دریافت، معلومات و تحقیقات کو کتابوں میں منتقل کر کے موجودہ و آئندہ نسلوں کو اپنے علمی نتائج و ثمرات سے باخبر رکھتے اور ان موضوعات پر قدما سے جو یادگار مواد ہوتا، مقدمۂ کتاب میں اس کی نشاندہی کر کے قاری کو ان کتابوں سے متعارف کراتے۔ مزید تحقیقات کے لیے نئے راستوں کی طرف رہنمائی کرتے اور کتابی ذخائر کو فروغ دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ان کے صفحاتِ قلب و دماغ پر مسطور ہوتا تھا ان کا خزانۂ کتب انہی علوم و حقائق کا خارجی وجود تھا، چنانچہ حوادثِ روزگار یا ارضی وسماوی آفات سے ان کا ذخیرۂ کتب ضائع ہوجاتا تو اس کی ٹیس وہاں کے ہر مقامی کے دل میں اٹھتی تھی۔ اس کا انہیں بھی طبعی غم ہوتا تھا،

لیکن ان کے صفحاتِ قلب پر وہ علوم و حکم نقش ہونے کی وجہ سے نہ ان کا دل بیٹھتا اور نہ وہ بیمار پڑتے تھے، بلکہ ان علوم و معارف کا ہمہ وقت ذہن میں استحضار اور دل و دماغ پر ثبت رہنا ہی ان کے اطمینان کا سب سے بڑا سہارا تھا۔ انہیں اس امر کا یقین تھا کہ وہ جب چاہیں گے ان علوم و حکم کو پھر صفحاتِ قرطاس پر بآسانی اُتار دیں گے۔

چنانچہ علماء و ادباء کے کتب خانے کسی وجہ سے نذرِ آتش کیے گئے تو انہوں نے جلانے والوں سے یہی کہا کہ تم نے ہمارا کتب خانہ جلا کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا اس سے یہ سمجھنا کہ علم سے ہمارا رشتہ منقطع ہو گیا، یہ درست نہیں۔ علمی ذخیرہ ہمارے دل و دماغ میں مسطور و محفوظ ہے۔ جن کی نظر سے ہماری تالیفات گذری ہیں، ان کے مضامین اہلِ علم کے ذہنوں میں اُتر چکے ہیں۔ انہیں محو نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ وزیر کافی الکفاۃ ابوالقاسم اسماعیل بن عباد طالقانی المعروف بصاحب ابن عباد (۳۲۶–۳۸۵ھ = ۹۳۸–۹۹۵م) نے ابوحیان علی بن محمد توحیدی (۰۰۰–۴۰۰ھ = ۰۰۰–۱۰۱۰م) کو سال بھر قید میں رکھنے کے بعد جوشِ انتقام میں اس کا کتب خانہ نذرِ آتش کرا یا تو ابوحیان کو رنج ہوا اور اُس نے اس ناروا حرکت پر اسے ملامت کی[1] لیکن آخر عمر میں جب اس نے اپنی تالیفات و علمی سرمایہ کو ناقدروں کے ہاتھوں میں جانے کے ڈر سے جلایا اور اس پر نکتہ چینی کی گئی تو اُس نے نکتہ چینوں سے کہا:

"میرے سینے میں وہ علم ہے جو کاغذ پر کاغذ بھر تا جائے گا اور زندگیاں ختم ہوتی رہیں گی، لیکن وہ علم فنا نہیں ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر بڑا فضل ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ میری آنکھ اس کے بعد سیاہی، ورق، جلد، قرأت، مقابلہ، تصحیح اور نوشت و خواند سے نہیں تھکتی ہے"[2]

علامہ ابومحمد علی بن احمد المعروف بابن حزم قرطبی (۳۸۴–۴۵۶ھ = ۹۹۴–۱۰۶۴ء)

---

[1] یاقوت، معجم الادباء ط: ۲، القاہرہ عیسی البابی الحلبی۔ ۱۳۵۷ھ، جلد ۶ ص ۲۱۷۔

[2] ایضاً۔ جلد ۱۵ ص ۲۲۲۔

کی تصانیف کو جب اشبیلیہ میں نذرِ آتش کیا گیا[1] اور یہ خبر اسے پہنچی تو اس نے حسبِ ذیل شعر کہے تھے ؎

وان تحرقوا القرطاس لا تحرقوا الذی
تضمنہ القرطاس، بل ھو فی صدری

(اور تمہارا میری تصانیف جلا دینا سود مند نہیں اس لیے کہ) ان مضامین کو جو کتابوں کے ذریعے ذہنوں میں اتر گئے ہیں، تم نہیں جلا سکتے، نہ ان علوم کو جو میرے سینے میں محفوظ ہیں)۔

یسیرُ معی حیث استقلت رکائبی
وینزل ان انزل ویدفن فی قبری

(وہ علم میرے ساتھ چلتا ہے جہاں میری سواریاں جاتی ہیں اور جہاں میں اترتا ہوں وہاں اترتا ہے۔ وہ میرے ساتھ قبر میں بھی دفن ہوگا)۔

دعونی من احراقِ رقٍ وکاغذٍ
وقولوا بعلم کی یری الناس من یدری[2]

(مجھے چھوڑو، چمڑے اور کاغذ کے جلانے سے باز رہو اور علم کی کہو تاکہ جو اہلِ علم دیکھیں وہ جان لیں)۔

ابوموسیٰ عبدالرحمٰن بن موسیٰ استیجی، امام مالک، سفیان بن عیینہ اور اصمعی جیسے ائمۂ فن کے شاگرد تھے۔ فقہ، حدیث، لغت و ادب کے امام و حافظ تھے، موصوف نے اندلس سے مشرق کا سفر کیا، کتابیں جمع کیں، لے جاتے وقت وہ بحر تدمیر میں غرق ہوگئیں، جب استیجہ پہنچے تو لوگوں کو اس حادثہ جانکاہ کا علم ہوا۔ پورا شہر اس کی تعزیت کے لیے امنڈ آیا۔ اہلِ استیجہ ان کی بخیر و عافیت واپسی پہ مبارک باد پیش کرتے

(باقی بر صفحہ ۵۷)

[1] یاقوت، معجم الادباء جلد ۱۲ ص ۲۴۹۔
[2] ایضاً 〃 ص ۲۵۳۔